# انور مسعود کی "میلی میلی دھوپ" کا ماحولیاتی سائنسی و ماحولیاتی تنقیدی جائزہ

# Environmental scientific and ecological critical review of Anwar Masood's "Maili Maili Dhup"

ڈاکٹر حمیرا اکرم [i] ڈاکٹر محمد عبیداللہ [ii]

## Abstract:

*Ecocriticism is modern perspective of literary criticism which analysis the relationship of living things with its environment. Man can be defined as a living thing that can modify its environment for his comfort. In the course of modification of environment, man has posed serious threat to its natural environment and consequently to living things. Ecocriticism object this anthropocentric interference with ecosphere. Man is destroying his environment with his own hands making the planet incapable to support life. One of the objectives of literature is to provide awareness about potential dangers to society and suggest means to avoid from any kinds of unpleasant situation. In recent years world of literature is focusing on creating awareness about environmental hazards faced all the word. Urdu Literature is also very well aware about this burning issue. Fiction, nonfiction writers and poets of Urdu are giving pivotal importance to environment in their creations. One of such poets of Urdu is Anwar Masood. He created lots of awareness about environment and environmental pollution in his book named "Maili Maili Dhoop". Here critical analysis of this book from Ecological and eco-critical point view is given.*

Keywords: *Ecocriticism, Ecology, Nature, Ecosystem, Global warming, Environmental Pollution, Anwar Masood, Urdu Literature, Maili Maili Dhoop.*

ماحولیاتی تنقید ادبی تنقید کا جدید تناظر ہے جو جاندار چیزوں کے ماحول کے ساتھ تعلق کا تجزیہ کرتا ہے۔ انسان کو ایک جاندار چیز کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے جو اپنے آرام کے لیے اپنے ماحول کو تبدیل کر سکتا ہے۔ ماحول کی تبدیلی کے دوران انسان نے اپنے قدرتی ماحول اور اس کے نتیجے میں جانداروں کو شدید خطرات لاحق کر دیے ہیں۔ ماحولیاتی تنقید ماحولیات کے ساتھ اس بشر مرکز مداخلت پر سوال کرتی ہے۔ انسان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ماحول کو تباہ کر رہا ہے۔ کرہ ارض زندگی گزارنے کے قابل نہیں بنا رہا ہے۔ ادب کا ایک مقصد معاشرے کو ممکنہ خطرات کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا اور کسی بھی قسم کی ناخوش گوار صورتِ حال سے بچنے کے ذرائع تجویز کرنا ہے۔ حالیہ برسوں میں ادب کی دنیا ماحولیاتی خطرات کے بارے میں بیداری پیدا کرنے پر توجہ مرکوز کر رہی ہے۔ اردو ادب بھی اس مسئلے سے بخوبی واقف ہے۔ اردو کے نثر نگار اور شاعر اپنی تخلیقات میں ماحول کو بنیادی اہمیت دے رہے ہیں۔ اردو کے ایسے ہی شاعروں میں ایک نام انور مسعود کا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "ملی میلی دھوپ" میں ماحولیات اور ماحولیاتی آلودگی کے بارے میں بہت سی آگہی پیدا کی۔ اس مقالے میں اسی کتاب کا ماحولیاتی سائنسی اور ماحولیاتی تنقیدی نقطہ نظر سے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: ماحولیاتی تنقید، ماحولیاتی سائنس، فطرت، ماحوالیاتی نظام، عالمگیر حدت پزیری، ماحولیاتی آلودگی، انور مسعود، اردو ادب، میلی میلی دھوپ۔

ایکولاجی Ecology یا ماحولیات کی سائنس، علمِ حیاتیات کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ ایکولوجی کا مطمح نظر یہ ہے کہ کوئی بھی شئے خواہ زندہ ہو یا مردہ، وہ آزادانہ طور پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ماحول سے ہمہ وقت متاثر ہے اور مسلسل اپنے ماحول کو بھی متاثر کر رہی ہے۔ اِس لیے کسی شئے کا مطالعہ اُس کے ماحول سے کٹ کر کیا جائے تو ایسا مطالعہ نامکمل مطالعہ کہلائے گا۔

---

i اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج دبئی محل روڈ، بہاول پور۔
ii اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور، بہاولنگر کیمپس (Corresponding Author)

ماحولیاتی سائنس کے مطابق انسان اور فطرت دونوں کے مابین ایک گہرا رشتہ موجود ہے جو بہت قدیم ہے۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان فطرت ہی کا ایک حصّہ ہے اور فطرت پر اثر اندازی یا فطرت سے اثر پذیری انسان کا خاصّہ ہے۔ ہیگل نے لکھا ہے:

حقیقی تصورِ مطلق کی پہلی ہستی فطرت میں ہوتی ہے اور پہلا حسن فطرت کا حسن ہے۔[۱]

ایکولوجی کا لفظ سب سے پہلے ایک جرمن سائنس دان ارنیسٹ ہیکل Ernst Haeckel نے ۱۸۶۹ء میں استعمال کیا۔[۲] لفظ "Ecology" (ماحولیاتی سائنس) کا ادب اور فطرت سے تعلق بھی اتنا ہی گہرا اور دیرینہ ہے جتنا کہ خود انسان اور ادب کا۔ دنیا کے ہر ادب میں فطرت کی جھلک موجود ہے۔ ٹیگور کو فطرت اور اس کے مختلف مناظر سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اُس کی نگارشات میں یہ لگاؤ کبھی کبھی بے پناہ پیار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں جگہ جگہ فطرت کی عکاسی موجود ہے۔ درختوں کا ذکر، موسموں کا بیان، کسان، کھیت، چڑیوں کی چہچہاہٹ، آسمان، بادل کی گرج، بارش، ندی، طوفان وغیرہ سب ان کی شاعری میں انوکھے طور پر رچے بسے معلوم ہوتے ہیں۔ ولیم ورڈز ورتھ تو اِس حد تک فطرت سے متاثر تھا کہ اُسے "شاعرِ فطرت" کا خطاب دیا گیا۔ وہ فطرت کو اپنی اطالیق گردانتا ہے اور شعر کی تخلیق کے لیے فطرت سے مکمل ہم آہنگی کو لازمی قرار دیتا ہے۔

"ماحولیاتی سائنس" کے لیے انگریزی میں Ecology کا لفظ آیا ہے جب کہ جانداروں اور فطرت کے مابین تعلق، باہمی انحصار یا باہمی تعامل سے وجود میں آنے والی حیاتیاتی اکائی (Ecological Unit) کے لیے Ecosystem کا لفظ آتا ہے۔ ادب بھی اپنے ماحول سے نہ صرف متاثر ہے بلکہ ماحول کو متاثر بھی کرتا ہے۔ دنیا کا کسی بھی نوع کا ادب ہو، عموماً وہ اپنے معاشرے، اپنے ماحول اور عمومی حالات ہی کی پیداوار ہوتا ہے۔ ماحول سے ادب کے گہرے ربط و ضبط کی مناسبت سے ایسے ادب کے لیے ماحولیاتی ادب اور اِس کی تنقید کے لیے ماحولیاتی تنقید Ecocriticism کی اصطلاح رائج ہے۔ اردو میں رائج کئی دیگر تنقیدی سانچوں کی طرح ماحولیاتی تنقیدی سانچہ بھی مغرب سے درآمدہ ہے۔

لفظ Ecology یونانی لفظ OIKOS, سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی جاندار کا 'گھر' یا اُس کے

'رہنے کی جگہ' اور Logy کے معنی ہیں مطالعہ۔ عام طور پر Ecology (ایکولوجی) میں جان دار کا اُس کے ماحول یا قدرتی گھر کے حوالے سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔[۳] ڈاکٹر ہینس یولرک رسگارڈ نے ایکولوجی کو جانداروں کا اُن کی حیاتیاتی سطح سے بلند ہو کر مطالعہ کرنا بھی بیان کیا ہے یعنی جانداروں کے اِس طرزِ مطالعے میں اُن کے ماحول کے حیاتیاتی اجزا مثلاً دیگر پودے، جانور اور توڑ پھوڑ کرنے والے خوردبینی جانداروں کے علاوہ غیر حیاتیاتی اجزاء مثلاً ہوا، پانی، مٹی، روشنی، درجۂ حرارت وغیرہ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔[۴]

ماحول Environment کا لفظ، فرانسیسی لفظ Environ سے مشتق ہے جس کے معنی ارد گرد یا محیط کے ہیں۔[۵] 'ماحول' کی جامع اور مختصر تعریف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ "میرے علاوہ میرے ارد گرد جو کچھ ہے وہ میرا ماحول ہے۔"

ماحولیات ایک بین العلومی تعلیمی میدان ہے جو ہماری توجہ ماحول کے مطالعے، ارضیات، موسمیات، حیاتیات، کیمیا، انجینئرنگ، اور طبیعات کی جانب مبذول کراتا ہے تاکہ ماحولیاتی مسائل اور انسان کے ماحول پر برے اثرات کا مطالعہ کیا جا سکے۔ ماحولیاتی سائنس ایک مقداری شعبہ بھی ہے جو اپنے اندر نظریاتی و اطلاقی دونوں قسم کے پہلو رکھتا ہے۔ نظریاتی سطح کا تعلق بین الاقوامی سطح پر تحفظِ ماحول کے لیے لائحۂ عمل ترتیب دینا ہے اور اطلاقی سطح پر اِن طریقہ ہائے کار کو کسی خاص جگہ پر لاگو کرنا ہے۔ ماحولیاتی سائنس کو ماحولیاتی مطالعات سے الگ شعبہ تصور کیا جاتا ہے جو انسان کے ماحول اور اُس کے سماجی و سیاسی پہلوؤں کے تعلقات پر زور دیتا ہے۔ جبکہ ماحولیاتی مطالعات کا طالب علم بین الاقوامی ماحولیاتی ضابطوں پر ارتکاز کرتے ہوئے معاشی اور معاشرتی پہلوؤں پر بھی زور دے گا نیز وہ ماحولیاتی تبدیلی کی وجوہات، اِس کے اثرات اور اِس کے تدارک کے ذرائع پر بھی غور کرے گا۔

اگرچہ اردو ادب میں ماحولیاتی تنقید کا رواج انگریزی ادب کے بعد ہوا لیکن اگر اردو ادب میں ماحولیات کی پیشکش کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو ماحولیات کے حوالے سے اشعار ہماری کلاسیکی شعری روایت (میرؔ، نظیرؔ، مومنؔ، غالبؔ) میں بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ اردو ادب میں ماحولیات کے موضوع کی شعوری پیشکش کا پہلا سراغ ہمیں انجمنِ پنجاب سے ملتا ہے۔ اردو میں ماحولیات کی پیشکش کا آغاز فطرت نگاری سے شروع ہوتا ہے۔ اگر فطرت نگاری کو ماحولیات کی پیشکش تصور کر لیا جائے تو پھر یہ روایت اردو

مثنویات تک چلی جاتی ہے۔ مثنویات پر ہی موقوف نہیں، فطرت نگاری مرثیوں، قصیدوں اور بالخصوص نظیؔر کی نظموں میں بھی شدت اور تعدد کے ساتھ ملتی ہے۔ حالؔی اور آزادؔ کے بعد اسماعیل میرٹھی کی نظموں میں بھی فطرت نگاری کے مرقعے کثرت سے ملتے ہیں جنھیں ماحولیاتی تنقید کے لیے ماحول بنانے کی اہم کاوش کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ سرور جہاں آبادی، شوق قدوائی اور اقبال کی نظموں میں بھی فطرت نگاری کے حسین مرقعے نظر آتے ہیں۔ اِس کے بعد حفیظ جالندھری اور مجید امجد کا نمبر آتا ہے جن کی شاعری میں فطرت نگاری سے ایک قدم آگے بڑھ کر ماحولیاتی توازن، ماحولیاتی عناصر، ماحولیات کو درپیش خطرات اور تدارک جیسے موضوعات بھی مل جاتے ہیں۔ یوں صحیح معنوں ماحولیات تنقید پر پورا اترنے والے پہلے شعراء میں حفیظ اور مجید امجد کا نام ہے۔ مجید امجد کی فضا، ماحول اور فطرت پسند ہے۔

جہاں تک ماحولیاتی تنقید کا تعلق ہے تو، اردو تنقید میں ماحولیاتی تنقید کے آثار امداد امام اثر کی تصنیف کاشف الحقائق المعروف ''بہارستانِ سخن'' ۱۸۹۷ء میں نظر آتے ہیں جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول فنونِ لطیفہ اور مختلف اقوام کی شاعری سے متعلق ہے جب کہ حصہ دوم میں شعرائے عجم اور ہندوستانی شعرا کا تذکرہ اور اصناف کا ذکر ہے۔

ماحولیاتی تنقید دراصل ادب اور ماحول کے مطالعے کا وہ طریقِ کار ہے جو اصلاح ماحول اور عصری ماحولیاتی چیلنجز کے حوالے سے عوام الناس کو آگاہی دیتا ہے۔ نصراللہ ممبرول کے مطابق:

> Ecocriticism is the study of literature and environment from an interdisciplinary point of view where all sciences come together to analyze the environment and brainstorm possible solutions for the correction of the contemporary environmental situation.[6]

ماحولیاتی تنقید ایک طرزِ مطالعہ ہے جو بدلتے ہوئے ماحول کو محسوس کرتا ہے اور پھر اِس کے مطابق ادب کی تفہیم کرتا ہے۔ جس طرح ماحول میں حیاتیاتی اور غیر حیاتیاتی عوامل ایک دوسرے پر انحصار کر رہے ہوتے ہیں، اور اِس میں خفیف سی تبدیلی بھی ماحولیاتی توازن میں بگاڑ پیدا کرکے کسی بڑی خرابی کا باعث بن سکتی ہے، اسی طرح معاشرے میں ادب بھی بہت سے بشریاتی، نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی عوامل کے باہمی تعامل سے متاثر ہو رہا ہوتا ہے اور بیک وقت اِن رویوں اور کیفیتوں کو متاثر کر بھی رہا ہوتا

ہے۔ ادب متذکرہ بالا ہر اُس پہلو کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے جو توازن کے خلاف جارہا ہوتا ہے۔ میرؔ جب آفاق کی کارگہِ شیشہ گری کے کام کو بہت نازک قرار دیتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اُن کے سامنے ماحولیاتی توازن کا وہ سائنسی تناظر نہ ہو جس سے ہم جدید سائنس کی بدولت آج واقف ہو رہے ہیں، لیکن ماحولیاتی تنقیدی تھیوری کی روشنی آج یہ شعر ماحولیاتی توازن کی حقیقی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے:۔

لے سانس بھی آہستہ، کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اِس کار گہِ شیشہ گری کا

جے۔اے کڈن نے ماحولیاتی تنقید کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

Eco-criticism is a field of criticism which attempts to delineate the relationship between literature and the natural environment. It is relationship between literature and physical environment. [7]

جس طرح تانیثی طریقِ تنقید زبان و ادب کو صنفی تضادات کے حوالے سے دیکھتی ہے اور مارکسی تنقید فن پارے کو پیداوار، معاشرتی گروہ بندی کے نقطۂ نظر سے دیکھتی ہے؛ ماحولیاتی تنقید ادبی مطالعات کے لیے زمین مرکز تنقیدی رجحان کا نام ہے جو فن پارے کو ماحولیات کے تناظر میں دیکھتی ہے[۸]۔ ماحولیاتی تنقیدی چلن اِس حد تک اردو ادب میں بہت پہلے ہی سے تھا کہ فن پارے کو اُس کے ماحول کے تناظر میں پرکھا جائے جس ماحول یہ فن پارہ تخلیق ہوا یا جس سماجی سیاسی اور نفسیاتی تفاعلات میں کسی فنکار نے اُسے تخلیق کیا۔ لیکن ماحولیاتی تنقید اِن تمام ماحولیاتی اکائیوں کے ساتھ ساتھ ماحولیات کے دیگر حیاتیاتی اور غیر حیاتیاتی اجزاء (Biotic & Abiotic Factor) کو بھی اپنی تنقید میں شامل کرتی ہے اور ادب سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ ماحولیاتی شعور اور تحفظِ ماحول کے لیے کردار ادا کرے۔ یوں وہ فن پارہ جس میں ایسے ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہو جو فطری حسن سے مالا مال ہو؛ کا موازنہ کسی ایسے ماحول سے کیا جائے (یہاں ماحول سے مراد زمینی، آبی، ہوائی، ہر سہ قسم کا ماحول مراد ہے) جو انسان کی دست برد کا شکار ہو چکا ہو، جس پر انسان نے اپنی نام نہاد صنعتی ترقی اور آسائش کے لیے ناقابلِ اندمال زخم لگا دیے ہوں اور وہ ماحول اپنی افادیت یا حسن و خوبی کھو چکا ہو، ماحولیاتی ادب کے زمرے میں آئے گا اور ماحولیاتی تنقید کی نظر میں قدر و منزلت کا حامل ہوگا۔ کسی جنگل میں کسی جڑی بوٹی یا جانور کا وقتی افادیت یا جلبِ منفعت کے لیے انسان کے

ہاتھوں قتلِ عام، ماحولیاتی تنقید کا موضوع ہو سکتا ہے۔ ٹموتھی مارٹن نے ماحولیاتی تنقید کے بارے میں کہا تھا:

> Conventional ecocriticism is heavily thematic. It discusses ecological writers. It explores elements of ecology, such as animals or the weather. [9]

یعنی ماحولیاتی تنقید کا ایک پہلو ماحول کی دل کشی و رعنائی بیان کرنا (جسے فطرت نگاری کا نام دیا گیا ہے) اور دوسرا پہلو انسان کی نام نہاد ترقی کے لیے ماحول کو پہنچائے گئے ناقابلِ تلافی نقصان اور نتیجتاً جنگلی حیات پر ماحولیاتی عدم توازن کے منفی اثرات کا اِس طرح تذکرہ کرنا کہ ماحول کے تحفظ کا احساس اجاگر ہو۔ یعنی ادب میں فطرت نگاری اور ماحول کے تحفظ کا احساس اجاگر کرنے کے پیچھے ایک عظیم مقصد کارفرما ہے اور وہ ہے زمین کو ماحولیاتی بحران سے بچانا۔

بین الاقوامی سطح پر تو اِس حوالے بہت زیادہ آگاہی پائی جاتی ہے اور وہاں مؤثر اقدامات بھی اٹھائے جا رہے ہیں۔ شعرا، ناقدین اور ادیب، ماحولیات کے اِس اہم مسئلے کے بارے میں آواز بھی اٹھا رہے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اردو ادب میں اِس ضمن میں کیا کام ہو رہا ہے۔ اگر ماحولیاتی تنقید شعر و ادب کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی سے آگاہی دینے اور ماحول کو محفوظ بنانے کی کوشش کا نام ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اردو ادب اِس جہت میں بھی عالمی ادب سے پیچھے نہیں۔ ماحولیات کے مسئلے کی حساسیت کے پیشِ نظر کلاسیکی اور جدید ہر دو شعراء نے لکھا ہے۔ مثلاً مومن خان مومن فضائی آلودگی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

صبح ہوئی تو کیا ہوا، ہے وہی تیرہ اختری
کثرتِ دود سے سیاہ، شعلۂ شمعِ خاوری

ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے عوام النّاس کی آگاہی کے ضمن میں ادبأ اور شعراء کا کردار اور اُن کی ذمہ داری کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ رائے عامہ کی تشکیل اور عوام النّاس کی فکری رہنمائی ہر ملک کے دانشور طبقے کا فرضِ اوّلین ہوتا ہے۔ آلودگی، ایک خاموش قاتل ہے جس کا سست زہر (Slow Poison) رفتہ رفتہ ہماری رگ وپے میں سرائیت کرتا جا رہا ہے۔ تحفظ ماحول کا احساس جگانا اور ماحولیاتی آلودگی سے لوگوں کو نفرت دلانا اور آلودگی کم کرنے کے حوالے سے لوگوں کی تربیت کرنا ہمارے شاعر اور ادیب کی ذمہ داری بنتی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے کئی شعراء کے کلام میں منتشر اشعار ملتے ہیں لیکن اِس موضوع پر باقاعدہ شاعری کی کتاب لکھنے کا سہرا انور مسعود کے سر جاتا ہے۔ اُنھوں نے ''میلی میلی دھوپ'' لکھ کر ماحولیاتی سائنسی شاعری کے کارِ خیر کی ابتدا کر دی ہے۔ اب سائنسی فکر و خیال کے حامل دیگر شعراء کا کام ہے کہ وہ اُن کی اقتدا میں اہم ماحولیاتی مسائل پر شاعری یا فکشن میں طبع آزمائی کر کے قوم کے سائنسی ذوق اور فکر و خیال کی آبیاری کرنے کے ساتھ ساتھ عوام الناس کو اِس خاموش خطرے سے آگاہ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

اِس وقت دنیا بھر کو جو زبردست چیلنجز درپیش ہیں اُن میں ماحول کے تحفظ کا مسئلہ سرِ فہرست ہے۔ پچھلے ایک سو پچاس ۱۵۰ سال کی صنعتی ترقی نے بنی نوعِ انسان اور اِس زمین کی صلاحیتوں کو ہمارے باپ دادا کے تصورات سے کہیں زیادہ وسعت دی ہے۔ ماحولیات کے مشہور محققین جان کیری اور ہینز کیری اپنی کتاب ''ماحول اور ہماری زمین'' میں لکھتے ہیں:

> ہم نے قدرتی وسائل کا اندھا دھند استعمال کیا ہے، محض ایک بڑھتی ہوئی آبادی کو خوراک، لباس اور مکان مہیا کرنے کے لیے نہیں بل کہ کروڑوں لوگوں کو زیادہ لمبی اور بہتر زندگی فراہم کرنے کے لیے۔۔۔ لیکن انہیں وسائل کے غیر محتاط استعمال نے انسانی زندگی کی بنیاد کو خطرات میں ڈالنا شروع کر دیا۔۔۔ سائنس اور ٹیکنالوجی انسان کی بے پناہ ترقی کا موجب بنی ہے اور ہمارے جدید معاشرے کو ممکن بنایا مگر اب سائنس اور ٹیکنالوجی ہی ہمیں اِس قابل کر سکتی ہے کہ ہم اِس ترقی کے غیر ارادی طور پر پیدا ہونے والے نقائص کو درست طور پر پرکھ سکیں اور انسانی زندگی کے معیار کو ماحولیاتی مسائل کی وجہ سے درپیش خطرات کا اندازہ لگائیں جنھیں ہم زیادہ سنجیدگی سے نہیں دیکھتے ہیں۔[10]

جنگلات کا بے رحمانہ صفایا کر کے زرعی زمین میں اضافہ تو کسی حد تک ماحول کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی بھی کر دیتا ہے تھا لیکن خطرناک صورتِ حال یہ ہے کہ آج کا انسان ہزاروں ایکڑ اراضی پر موجود سر سبز و شاداب لہلہاتی فصلوں کو تباہ کر کے رہائشی کالونیاں بنا کر کنکریٹ جنگل تعمیر کرتا جا رہا ہے۔ اشجار کو حیاتیات کی زبان میں فطرت کے پھیپھڑے (Lungs of Nature) کہا جاتا ہے۔ درخت فطرت کا وہ حسین تحفہ ہیں جو ماحول کا سارا زہر چوس کر فضا میں آکسیجن کا امرت رس انڈیلتے رہتے ہیں۔ درخت ہی فطرت کا وہ

عطیہً بے نظیر ہیں جن سے لاکھوں قسم کے زندگی بچانے والے مفردات و مرکبات حاصل ہوتے ہیں۔ درخت جنگلی حیات (Wild Life) کا مسکن ہیں۔ اگر مسکن تباہ ہو جائے تو ساکن کو سکونت اور تغذیہ کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ درخت نہ صرف جنگلی حیات کو پناہ اور رہائش مہیا کرتے ہیں بل کہ اُن کی خوراک کا بھی ذمہ اٹھاتے ہیں۔ آج ہم سڑکوں، رہائشی کالونیوں اور زراعت کے لیے درختوں کا بے دریغ قتلِ عام کر رہے ہیں۔

درختوں کی ماحولیاتی اہمیت کے حوالے سے انور مسعود نے بہت سے اشعار کہے ہیں۔ درج ذیل شعر میں درختوں کے حسنِ مروّت اور انسان کو درختوں کے ایثار سے سبق حاصل کرنے کی طرف موثر اشارہ کیا گیا ہے:

درختوں سے کوئی سیکھے سبق حسنِ مروّت کا
فضا کا زہر پی لینا مگر تریاق لوٹانا "

سڑکیں تو ہو گئی ہیں کشادہ بہت مگر کتنے درخت قتل ہوئے، یہ نہ پوچھیے [۱۲]
وہ بھی تو ایک سبز قبیلے کا فرد تھا اِک پیڑ کٹ گیا ہے تو جنگل اداس ہے [۱۳]

انور مسعود کا درج ذیل شعر تو درختوں کی داستانِ الم کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔ درختوں کے کٹنے اور جلنے کا دل دوز قصہ شاید ہی کہیں اتنے موثر انداز میں بیان ہوا ہو؟ درختوں کی داستانِ حیات کا دھواں دُھواں ہونا، اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے۔ درخت جلنے پر دھواں ہی پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے چیزیں دھندلی نظر آتی ہیں اور غم کی شدت میں بھی آنسوؤں کی وجہ سے نظر دھندلا جاتی ہے:

دُھواں دُھواں ہے درختوں کی داستاں انورؔ
کہ جنگلوں میں پلے اور بستیوں میں جلے [۱۴]

ہمارے پاس قدرتی وسائل کی شکل میں "یہ آگ اور مٹی، ہوا اور پانی" بلا شُبہ خدا کی بہت بڑی مہربانی کی صورت میں دستیاب ہیں جن پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے۔ بقول انور مسعود:

"احسان مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اِن مہربان عناصر سے حسنِ سلوک روا رکھا جائے، کہ یہی حسنِ سلوک ایک خوشگوار ماحول اور خوشحال مستقبل کی ضمانت ہے۔" [۱۵]

انسان نے قدرتی وسائل کے اس تحفے کو دانشمندی سے استعمال نہیں کیا، نتیجتاً آج انسان کو ماحولیاتی

آلودگی کے عفریت کا سامنا ہے۔ آج دنیا کو آلودگی کی ایک جدید قسم (گلوبل وارمنگ Global Warming) کا سامنا ہے۔ اگر انسان اپنی گاڑی کا پہیہ چلتا رکھنے کی خاطر مسلسل کاربن ڈائی آکسائڈ فضاء میں چھوڑتا رہا تو ایک دن زمین کا درجۂ حرارت اتنا بڑھ جائے گا کہ گلیشیئرز کی برف ضرورت سے زائد مقدار میں پگھل کر زمین کو ڈبو دے گی۔ اپنے ماحول کا سائنسی شعور دینے کے لیے ضروری تھا کہ ایسی شاعری کی جاتی جس میں مزاح کے لطیف پیرایۂ اظہار میں یا جدید سائنسی معلومات سے بھرپور ماحولیاتی (Ecological) شعور کی حامل شاعری کے ذریعے عوام النّاس اور بالخصوص حسّاس قاری کے اندر ماحول دوستی کا جذبہ پیدا کیا جاتا۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اردو ادب میں ایسی شاعری بہت کم نظر آتی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ فی زمانہ چند شعرا مسلسل اپنی شاعری میں عوامی نوعیت کے اہم سائنسی موضوعات کو قلم بند کر کے اردو شاعری کے دامن میں موضوعاتی وسعت پیدا کر رہے ہیں جو جہاد سے کم نہیں ہے۔ ورنہ اردو شاعری سے موضوعاتی تنگ دامانی کا اکثر شکوہ کیا جاتا رہا ہے۔

بقول جناب امجد اسلام امجدؔ:

> اردو شاعری بالخصوص اور مشرقی زبانوں کی شاعری بالعموم موضوعات کی محدودیت، پابندی اور کمی کا شکار رہی ہے۔ زندگی کے بے شمار پہلو جو شاعری کے دائرۂ عمل میں آتے ہیں، اُنھیں یہاں بارہ پتھر باہر شمار کیا جاتا ہے کہ ہم نے گھوم گھما کر شاعری کو غمِ جاناں، غمِ دوراں، عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی جیسے چند کلیشیئوں ہی میں الجھا رکھا ہے اور یوں ایسے کئی حقائق سے آنکھیں بند کر لی ہیں جو وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ یا تو اپنی شکلیں بدل رہے ہیں یا بالکُل ہی نئے سِرے سے جنم لے رہے ہیں۔[۱۶]

اپنے اسی مضمون ''ماحولیات کے موضوع پر پہلا شعری مجموعہ'' میں امجد اسلام امجد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''اس سے قطع نظر کہ ہمارے بہت سے دیگر معاملات و مسائل کی طرح 'ماحولیات' کے بارے میں بھی ہمیں مغرب والوں نے خبردار اور آگاہ کیا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ ایک اہم اور خوفناک حقیقت ہے کہ ہم فطرت کی اِن بیش بہا نعمتوں کو تباہ کر رہے ہیں جو ہمیں بِن مانگے اور کچھ خرچ کیے بغیر مل گئی ہیں''[۱۷]

دھواں کسی شے کے مکمل جلنے یا سلگنے کی علامت ہے۔ صنعتوں سے بھرپور ہماری زندگی میں ایندھن کی تمام صورتوں کے جلنے سے نکلنے والا دھواں زمین کے حسن کے اختتام کی علامت ہے۔ جس طرح

شمع بجھنے پر اِس میں سے دھواں اُٹھتا ہے اِسی طرح کہیں زمین سے کثرت کے ساتھ اُٹھتا ہوا یہ دھواں حیاتِ ارضی کے اختتام کی علامت تو نہیں؟ انور مسعود کے اِس شعر میں زمین کے ایسے ہی کسی انجام کی پیش گوئی صاف نظر آ رہی ہے:۔

ختم ہونے کو ہے یہ رونقِ ہستی شاید
"شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے" [۱۸]

اشجار کی اہمیت و افادیت اور ماحولیاتی عدم توازن کو ختم کرنے کے حوالے سے اُن کے موثر کردار پر انور مسعود اپنی اس غزل میں رقم طراز ہیں:

وہاں امکانِ خوشحالی بہت ہے جہاں پیڑوں کی ہریالی بہت ہے
نہیں ہے برگِ سبز آنگن میں جس کے وہ گھر خالی ہے اور خالی بہت ہے
جو پامالی سے گلشن کو بچائے بہت ہے ایک وہ مالی بہت ہے
درختوں کی نگہبانی کیے جا یہ محنت منفعت والی بہت ہے
پیامِ امن دینا ہو جو انورؔ
تو اِک زیتون کی ڈالی بہت ہے [۱۹]

انور مسعور ہی کی ایک نظم "شیوۂ خردمندی" میں فضائی آلودگی، بالخصوص گلوبل وارمنگ (global warming) کی جانب بلیغ اشارہ کیا گیا ہے:

بڑھ گیا سلسلہ جو حدّت کا اور اس میں مزید شدّت کا
موسم اتنا نہ پھر بدل جائے برف قطبین کی پگھل جائے
کون سیلاب کو سنبھالے گا اِس مصیبت کو کون ٹالے گا [۲۰]

انور مسعود دھوئیں کی وجہ سے فضائی آلودگی بڑھ جانے کے نقصانات کا مزاحیہ انداز یوں اظہار کرتے ہیں:

بڑھ گیا شہر میں دھواں اتنا
کوئی صورت نظر نہیں آتی [۲۱]

فضائی آلودگی کے ضمن میں انور مسعود کے یہ اشعار بھی بہت معنی خیز ہیں جو آلودگی کے حوالے سے عام آدمی کے شعور کو اجاگر کرنے میں بہت مددگار ہو سکتے ہیں:

سر پر دھوئیں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو　　آلودگی کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اک دوسرے کو اب کوئی پہچانتا نہیں　　گردو غبارِ شہر ہے اور ہم ہیں دوستو [۲۲]

ہوائی آلودگی میں شدید ترین اضافہ اور ماحول کو ناقبلِ تلافی نقصان ٹائر اور ربڑ سے بنی ہوئی چیزوں کو جلانے سے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گاڑیوں کے ٹائروں میں سختی اور پائیداری لانے کے لیے ان کے اہم ترین جزوِ ترکیبی، ربڑ کے ساتھ ساتھ بے شمار دیگر کیمیکلز مثلاً سلفر، لیڈ، کلورین، فاسفیٹ، نائٹریٹ، اور سیکڑوں قسم کے کینسر پیدا کرنے والے (Carcinogens) مادے بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ دھواں بظاہر تو فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو جاتا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ دھوئیں کے ذرّات ہوا میں نظر نہ آنے والے ذرّات (Particles) کی شکل میں موجود رہتے ہیں اور کسی سست زہر (slow poison) کی طرح دھیرے دھیرے ہماری سانس کے ذریعے ہمارے رگ و پے میں سرائیت کرتے ہوئے آہستہ آہستہ جزوِ بدن بنتے رہتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ انسان کینسر، خنّاق تشنّج، کالی کھانسی، دمہ، برونکائیٹس اور سانس کی کئی دیگر بیماریوں کا شکار بنتا جاتا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں ایک غیر دانش مندانہ رواج چل نکلا ہے کہ جہاں کہیں حکومت کے خلاف احتجاج ریکارڈ کرانا ہوتا ہے اُس کا واحد ذریعہ ٹائر جلانا ہے۔ انور مسعود ہمارے اس رویّے پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہی ہے مقصدِ تخلیقِ ٹائر　　یہ گاڑی کو چلانے کے لیے ہے
مگر ہم تو یہی سمجھے ہوئے ہیں　　کہ سڑکوں پر جلانے کے لیے ہے [۲۳]

انور مسعود نے بس کے دھوئیں کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار درج ذیل کے اشعار میں اِس فنّی چابک دستی سے کیا ہے کہ طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ صنعتِ تجنیس کا حسن بھی پیدا ہو گیا ہے:

میں کیسے اِس کے پھیلاؤ کو روکوں　　مری ہمت کے فوکس میں نہیں ہے
نہ پوچھو حال میری بے بسی کا　　دُھواں بس کا مرے بس میں نہیں ہے [۲۴]

ملتا ہے اک غبار دُھوئیں میں ملا ہوا
اک دُھند رو برو ہے جو مژگاں اٹھائے [۲۵]

دُھوئیں کی کثرت کے حوالے سے انور مسعود کے درج ذیل اشعار بھی بہت معانی خیز ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کیمیائی عمل سے دُھوئیں کی کنڈنسیشن (Condensation) کر لی جائے تو فضا میں موجود دھوئیں

میں کاربن کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ سارا شہر راکھ کے پہاڑ میں چھپ جائے:

دیکھ اِس شہر کے مکانوں سے — گاڑیوں اور کارخانوں سے
ایک دن میں دھواں جو اُٹھتا ہے — ایک طوفانِ ابرِ تیرہ ہے
یہ اگر عملِ کیمیائی سے — یا کسی حرفِ سیمیائی سے
ٹھوس حالت میں ہو سکے تبدیل — الاماں! الحفیظ! ربِّ جلیل
شہر سارا اُجاڑ ہو جائے — کوئلے کا پہاڑ ہو جائے [۲۶]

انور مسعود نے بس کے دھوئیں کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار درج ذیل کے اشعار میں اِس فنّی چابکدستی سے کیا ہے کہ طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ صنعتِ تجنیس کا حسن بھی پیدا ہو گیا ہے:

میں کیسے اِس کے پھیلاؤ کو روکوں — مری ہمت کے فوکس میں نہیں ہے
نہ پوچھو حال میری بے بسی کا — دُھواں بس کا مرے بس میں نہیں ہے [۲۷]

ملتا ہے اک غبار دُھوئیں میں ملا ہوا
اک دُھند رو برو ہے جو مژگاں اٹھائے [۲۸]

ہوا میں موجود کثافتوں اور آلودہ کنندہ ذرّات (Pollutants) کی بدولت اب سانس لینا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ ماحول کو جو صنعتی انقلاب کے ذریعے ناقابلِ تلافی نقصان ہو چکا ہے اس کا ازالہ ممکن نظر نہیں آتا۔ دھوئیں کے ذرّات کے ساتھ ساتھ ہمارے سانس میں تیزابی عناصر اور بھاری دھاتوں کے ذرّات مثلاً سیسہ پارہ، ایس بیس ٹاس، اور کاربن کے ذرّات Lead, Mercury, Asbestos بھی داخل ہو رہے ہیں۔ درج ذیل اشعار میں شاعر کے اندر آلودگی سے پاک فَضا میں سانس لینے کی اور غبار آلود روشنی کے بجائے صاف اور اُجلی روشنی میں مناظرِ فطرت کو دیکھ سکنے کی شدید خواہش محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس وقت ہماری جملہ حسّیات کی آلودگی کی وجہ سے کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ اگر کہیں صاف فَضا کا سراغ مل بھی جائے تو اب ہمارے حواس اسے محسوس کرنے سے عاری ہو گئے ہیں:۔

میں نے کہا زمین پہ جائے اماں نہیں — آیا جواب مجھ کو فلک سے کہ ہاں نہیں
اِک خیمۂ غبار افق تا افق ہے یوں — جیسے ہمارے سر پہ کوئی آسماں نہیں
یہ حال ہے کہ اپنی نظر ہے دھواں دُھواں — اور دیکھنا ہے یہ کہ کہاں پہ دُھواں نہیں [۲۹]
ابھی سے شہر ڈوبا ہے دُھوئیں میں — ابھی دس بھی بجے ہونگے نہ دِن کے

ہوا میں گھلتا جاتا ہے تعفّن گٹر کے ہیں، نہ ڈھکنے ڈسٹ بِن کے [۳۰]

فضائی آلودگی ایک اور قسم شور و غوغا ہے۔ انور مسعود کی کتاب "میلی میلی دھوپ" میں ایک مکمل غزل شور کی آلودگی پر ہے۔ فضائی آلودگی صرف دھوئیں اور اس میں شامل کیمیائی مادّوں ہی سے نہیں بل کہ ٹریفک کے بے ہنگم شور سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ شور، فضائی آلودگی کی وہ خطرناک قسم ہے جو اعصابی امراض، ہائپر ٹینشن، بوریدگی، بے دِلی، عدم برداشت اور کئی دیگر نفسیاتی امراض کا باعث بن سکتی ہے۔

چاروں طرف ہیں گوش خراشی کے سلسلے
اِک شور آٹھ پہر ہے اور ہم ہیں دوستو [۳۱]

آواز کی لہریں بِلا واسطہ ہمارے اعصاب سے ٹکراتی ہیں۔ شور کی آلودگی ایسی آلودگی ہے جس کا اثر اعصاب کے ذریعے ہمارے تمام جسم پر پڑتا ہے۔ ہمارے نظامِ اعصاب پر شور کے منفی اثرات سے اِن کی حسّاسیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں انسان میں قوتِ برداشت کم ہو جاتی جس کے نتیجے میں انسان کی ہنگامی حالات سے نمٹنے کی صلاحیت (Stress management Abilities) میں بھی بے پناہ کمی واقع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ غدودوں (Glands) کو غلط پیغامات (Wrong Neuro Signals) ملنے کی وجہ سے ہارمونل عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کئی قسم کے پیچیدہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہارمونل عدم توازن سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو اعتدال پہ لانے میں کئی کئی ماہ یا بعض اوقات سال درکار ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ٹریفک کا بے ہنگم شور، پریشر ہارن کا بے دریغ استعمال اور شہری علاقوں میں موجود صنعتیں روز بروز ہمارے اعصاب کو نہ صرف کمزور کر رہی ہیں بلکہ مسلسل نفسیاتی عوارض میں اضافے کا باعث بھی بن رہی ہیں۔ سائلنسرز کے بغیر موٹر سائکل، رِکشے اور گاڑیاں اس ساری صورتِ حال کو مزید بدتر کرنے میں مقدور بھر اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔ موٹر رِکشہ کا سائلنسر اس نقطۂ نظر سے اتار کر رکھ دیا جاتا ہے تاکہ رکشے کا شور سواری کو دور ہی سے متوجہ کر لے لیکن اس کے نقصانات اس معمولی افادے سے کہیں زیادہ ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ کسی طرح شور پیدا کرے والی گاڑیوں کے خلاف قانون سازی کر کے سائلنسر کا استعمال ضروری قرار دیا جائے، صنعتی یونٹس شہری آبادی سے باہر بنائے جائیں اور شور کی آلودگی کو کم کر کے معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنایا جائے:۔

اب ایسی نسل کے رکشے بہت ہیں
کہ سائلنسر نہیں ہوتے ہیں جن کے ۳۲

ہمارا ایک خوبصورت مذہبی تہوار شبِ برات ہے جس موقع پر پٹاخے چھوڑنے کا غیر اسلامی طریقہ رواج پا گیا ہے۔ خدا کے حضور عبادت و ریاضت اور ندامت کے آنسو بہانے والی رات کو بھی شور و شغب میں ڈبو دیا گیا ہے۔ اِسی طرح ایک اور غیر اسلامی تہوار ''بسنت'' بھی اسلامی ثقافت میں داخل ہو چکا ہے۔ بسنت کے موقع پر کی جانے والی پتنگ بازی، دھاتی تار کے استعمال کی وجہ سے خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہماری ماحول دشمنی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہمارے مقدس تہوار بالخصوص شبِ برات بھی پٹاخوں کے شور اور بارود کے دھوئیں سے عبارت ہے یعنی یہ مقدس تہوار بھی ماحول میں آلودگی پھیلانے کا باعث بن گیا ہے۔ انور مسعود اِس کیفیت پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہیں پتنگوں کے لیے وقف بسنتیں اپنی
اور پٹاخوں سے سلگتی ہوئی شبراتیں ہیں ۳۳

شور کی آلودگی ہو یا دُھوئیں کے ساتھ فَضا کا جزو بن جانے والی دیگر مضرِ صحت کثافتیں اور کیمیکلز، ان سب کی تعدیل کرکے (Neutralization) فضائی آلودگی کو کم کرنے میں درختوں کا اہم ترین کردار ہے۔ درختوں میں قدرتی طور پر خدا نے یہ صلاحیّت رکھی ہے کہ وہ فَضا میں موجود زہریلی کثافتوں کو چوس کر انہیں فائدہ منداجزاء میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ درخت شور و شغب کو جذب کرتے ہیں، طوفانوں کے خلاف رکاوٹ Wind barrier کا کام کرتے ہیں، تیز بارش میں بارش کے زور کو توڑ کر زمین کے کٹاو کو روکتے ہیں۔ تمام جانوروں کے لیے آکسیجن مہیا کرتے ہیں۔ درخت زمین کی نہ صرف زرخیزی کو بڑھاتے ہیں بل کہ اپنی جڑوں کے ذریعے زرخیز زمین کے کٹاؤ کو کم کرکے قابلِ کاشت رقبے کے زیاں کو روکتے ہیں۔ درج ذیل غزل میں درختوں کی انھیں خاصیّتوں کی جانب اشارے ملتے ہیں:

اِس خطّۂ زمیں پہ وہ آباد ہے جب سے — انساں کا شجر مونس و دمساز ہے تب سے
ٹھنڈک بھی میسّر ہے تو پیڑوں کی بدولت — چولہے بھی تو روشن ہیں درختوں کے سبب سے
مٹّی سے بھی حاصل ہو زرِ فصلِ فراواں — ماحول بھی محفوظ رہے شور و شغب سے
راحت کا خزانہ سا ملے قلب و نظر کو — شاداب درختوں کی خُنک چھاؤں کی چھب سے

ہر پیڑ کہے میں ہوں تمازت کا توازن　　کچھ دور نہیں ابر مرے دستِ طلب سے
آلودہ نہ ہو جائیں کثافت سے ہوائیں　　مل جل کے بچالو انھیں انورؔ کسی ڈھب سے ۳۴

درختوں کا فضا میں ماحولیاتی آلودگی کو کم کرنے، ہوا کی گیسوں میں اور درجۂ حرارت میں توازن و اعتدال پیدا کرنے میں مؤثر کردار کی زمینِ غزل میں اِس سے بہتر کیا ترجمانی ہوسکے گی۔

فضائی آلودگی کی افزائش میں ترقی یافتہ ممالک کا ہاتھ سب سے زیادہ ہے۔ اِس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے جتنی کوششیں آلودگی کے عفریت کو قابو میں لانے کے لیے کی جارہی ہیں وہ انتہائی ناکافی ہیں۔ ہوائی آلودگی اِس لیے بھی ماحولیاتی تنظیموں کی نظر میں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ آلودگی کی دیگر کئی اقسام اِسی ایک آلودگی کی ذیلی اقسام ہی ہیں۔

سائنسی شاعر جمیل علوی بزمِ سائنسی ادب سے وابسطہ ہیں اور عمومی دلچسپی کے سائنسی مضامین باقاعدگی سے ماہنامہ مجلّہ "نظمِ کائنات" کے لیے لکھتے رہتے ہیں۔ آلودگی کے حوالے سے اُن کے قطعاًت عام آدمی میں ماحولیاتی آلودگی کی ہلاکت خیزی کا شعور بیدار کرنے کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ عسکری لحاظ سے طاقت ور اقوام کی جانب سے کمزور ملکوں کے وسائل پر قبضہ کرنے کی خاطر اُن پر اندھا دھند بارود کی بارش کردی جاتی ہے۔ زیرِ نظر اشعار میں بارود کی بارش سے کیمیائی دھواں اور آہنوں کا دھواں میں چشم کشا طنز پوشدہ جو جنگِ عراق، شام اور افغانستان کے تناظر میں دیکھے جانے کے متقاضی ہیں:۔

اِس سے بہتر تھی خدائی کہتے ہیں نمرود کی　　آج کی دنیا تو سازش ہے کسی مردود کی
کچھ علاج اِس کا بھی اے "ماہرِ ماحولیات"　　یہ جو آہنوں کا دھواں ہے اور بو "بارود" کی ۳۶

ماحولیاتی ادب واضح کرتا ہے کہ کس طرح اِس کائناتی حیاتیاتی نظام (Global Ecosystem) میں چیزیں ایک دوسرے پر انحصار کرتی اور ایک دوسرے کے لیے بقائے حیات کی ضامن ہیں۔ انفرادی طور پر کوئی ذی روح زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ جاندار کا ماحول بھی ایک زندہ اکائی ہے جو جاندار کو متاثر کرتا اور اثرپزیر ہوتا ہے۔ بقائے حیات کے لیے تحفظِ ماحول از حد ضروری ہے۔ ماحولیاتی ادب جہاں ہمارے سماجی، سیاسی اور معاشی ماحولیات سے انسان کے متاثر ہونے کو موضوع بناتا ہے وہاں انسان کے نامیاتی و غیر نامیاتی ماحولیاتی اکائیوں کی اہمیت اور اِن کی تحفیظ کا احساس بھی اجاگر کرتا ہے۔ ماحولیاتی شعور کو اجاگر

کرنے اور ہمارے ماحول کو درپیش خطرات کی آگاہی کے حوالے سے انور مسعود کی "میلی میلی دھوپ" ایک قابلِ ستائش کاوش ہے اور اِس میں پوشیدہ پیغام کو عام کرنے اور عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

## حوالہ جات

1 ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، جمالیات (قرآن کی روشنی میں)(اسلام آباد: نیشنل بُک فاؤنڈیشن، س ن)، ۴۸۔۴۹۔

2 Lotus Aris, *Principles of Ecology* (London: Penguin series, January 11, 2021),10.

3 Dr. Md. Abdul Ahad, (Dhaka: Himachal Publication, First edition, 2019), 4.

4 Dr. Hans Ulrik Riisgard, *General Ecology* (Philadelphia: Saunders Co., 2nd edition), 10.

5 Morton W Miller, *Environment and experimental Botany, volume 27* (New York: pergamon Press Oxford, 1987).

6 Nasrullah Mambrol, *Literary theory and criticism,* matro opinion, https://literariness.org/2016/11/27/ecocriticism/

7 J.A Cuddon, *A Dictionary of Literary Terms and Literay Theory* (USA: Black well publishing, 5th Edition, 2013), 224.

8 Charly Glotfelty, *The Ecocriticism Reader* (Athens: The University of Gorgia Press, 1996), 18.

9 Timothy Morton, *Ecology without Nature* (Cambridge: Harvard Universty Press, 2007), 2.

10 جان کیری، ٹریسا ہنز کیری، ماحول اور ہماری زمین، مترجمہ: پروفیسر زاہد رامے(لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۸ء)، ۲۔

11 انور مسعود، میلی میلی دھوپ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ۷۱۔

12 ایضاً، ۴۲۔

13 ایضاً، ۱۱۳۔

14 ایضاً، ۲۲۔

15 ایضاً، ۱۲۔

16 ایضاً، ۱۱۳۔

17 ایضاً، ۱۱۴۔

18 ایضاً، ۶۔

19 ایضاً، ۳۲۔

۲۰ ایضاً، ۳۶۔

۲۱ ایضاً، ۳۷۔

۲۲ ایضاً، ۵۹۔۶۰۔

۲۳ ایضاً، ۶۲۔

۲۴ ایضاً، ۶۸۔

۲۵ ایضاً، ۷۹۔

۲۶ ایضاً، ۸۳۔

۲۷ ایضاً، ۶۸۔

۲۸ ایضاً، ۷۹۔

۲۹ ایضاً، ۸۴۔

۳۰ ایضاً، ۹۵۔

۳۱ ایضاً، ۶۰۔

۳۲ ایضاً، ۹۵۔

۳۳ ایضاً۔

۳۴ ایضاً، ۱۱۱۔

۳۶ جمیل علوی، ”غزل“ مشمولہ: انتخاب شعریات، بزمِ سائنسی ادب (دوسرا مشاعرہ ۲۶ مارچ ۱۹۹۴ء)، ۶۳۔